عُرف اور قانونِ اسلامی

مولانا علی محمد

''عرف'' اسلامی قانون کا ایک ماخذ ہے اور شریعت میں اس کو ایک خاص مقام دیا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ متعین کیا جائے کہ عرف کی صحیح حیثیت کیا ہے۔ یہ ضرورت دورِ حاضرہ میں اور بڑھ گئی ہے اس لئے کہ ایک طرف ہمارے دور کے کچھ تقاضے ہیں جن کا فہم نہایت ضروری اور دوسری طرف ''جدید متجد دین'' کا ایک طبقہ ہے جو شریعت کی اصل حدود کا خیال کئے بغیر نظامِ اسلامی میں کانٹ چھانٹ میں مصروف ہے۔ ان حضرات نے بطور خاص یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا عرف سے احکام منصوصہ کو تبدیل کیا جا سکتا ہے؟ اور اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ایسا کیا جا سکتا ہے۔ ان کے اس استدلال سے بھی غلط فہمیوں کو پھیلنے کا شدید خطرہ ہے۔ اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ اس مختصر مقالہ میں عرف کی صحیح حیثیت اور تبدیلی احکام میں عرف کے اُصول حرکت کی حیثیت کو پیش کریں۔

عُرف کیا ہے؟

عرف سے مراد لوگوں کی عادۃ اور تعامل ہے کیونکہ ہر زمانہ میں عوام کا تعامل اور عادۃ ایک نہیں ہوتی بلکہ مختلف ہوتی رہتی ہے۔

عرف دو قسم کا ہے۔ (۱) خاص اور (۲) عام۔ ''عرف خاص'' سے مراد کسی خاص علاقہ کا تعامل ہے مثلاً بخارا کے لوگوں کا تعامل وغیرہ اور عرفِ عام سے تمام مسلمانوں کا تعامل مراد ہے۔

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ عرف ''ہر زمانہ کے لوگوں کے رواج اور تعامل'' کو شریعت نے دینی مسائل کے دلائل میں سے ایک دلیل تسلیم کیا ہے جبکہ کتب فقہ میں قاعدہ مسلمہ ہے ''العادۃ محکمۃ'' کیونکہ عبداللہ بن مسعودؓ مشہور صحابی کا یہ مقولہ ''ما رآہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن'' اس کی بین دلیل ہے۔ اسی لئے ہر قاضی اور مفتی کے لئے ہر زمانہ کے عرف اور رواج سے پوری واقفیت رکھنا ضروری ہے کیونکہ جو قاضی لوگوں کے رواج اور تعامل سے پوری طرح واقف نہ ہو وہ قضاء کے منصب کو احسن طریقہ سے ادا نہیں کر سکتا۔ کما ذکر فی القنیۃ۔ ''لیس لا

☆ لا اجتهاد عند ظهورالنص ☆ نص کی موجودگی میں اجتهاد جائز نہیں ☆

قاضي ولا للمفتي ان يعملا بعد اعلى ظاهر المذهب و يتركا العرف" یعنی قاضی اور فقیہہ کے لئے یہ بات ناجائز ہے کہ عرف کو چھوڑ کر ظاہر مذہب پر عمل کرے اور صاحب مبسوط نے کہا ہے کہ عرف سے ثابت ہونے والے مسئلہ کا وہی درجہ ہے جو درجہ نص سے ثابت ہونے والے مسئلہ کا ہوتا ہے لیکن اس قاعدہ سے بعض حضرات نے جو غلط نظریہ سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ عرف کے مقابلہ میں نص کو بھی ترک کیا جاتا ہے اور ان سے اس کے ثبوت میں چند مثالیں بھی ذکر کی گئی ہیں جن سے خالی الذہن انسان کے دماغ میں ایک قسم کا تردد پیدا ہوجاتا ہے۔ اس اشکال کے حل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ کی صحیح صورت پیش کی جائے تاکہ موجودہ دور کے متجددین کے غلط نظریہ کی غلطی منکشف ہوجائے اور ان کے غلط نظریہ کی ترویج نہ ہوسکے۔

عُرف کے ردو اختیار کا اُصول:

عُرف شرعی دلیل یا منصوص علیہ۔ مسئلہ کے موافق ہوگا یا مخالف۔ اگر موافق ہو تو اس میں کسی قسم کا اشکال پیدا نہیں ہوتا۔ اگر عرف ان کے مخالف ہو تو اس صورت میں شرعی لحاظ سے عرف کا کیا مقام اور درجہ ہوتا ہے اس کے بیان کرنے کے لئے ہم دو باب قائم کر کے اس کی وضاحت کریں گے تاکہ قارئین کو سمجھنے میں تکلیف اور دقت نہ ہو۔

باب اول:

عُرف چاہے عام ہو یا خاص اگر نص قطعی "حدیث وقرآن" کے مخالف ہو تو اس کی چند صورتیں ہوں گی۔ اول یہ کہ عرف پر عمل کرنے سے نص قطعی کو ترک کرنا لازم آتا ہو۔ تو اس صورت میں عرف کو ترک کیا جائے گا مثلاً لوگوں کے رسم و رواج اور تعامل سے ربوا (سود) اور شراب کا استعمال کرنا جائز نہیں ہوسکتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عرف نص قطعی کی عمومیت میں سے کسی ایک فرد یا جزء کے لحاظ سے مخالف ہو تو اس شکل میں عرف پر عمل کیا جائے گا کیونکہ عرف پر عمل کرنے سے نص قطعی کا ترک کرنا لازم نہیں آتا بلکہ اس عمومیت کو مخصوص کرنا لازم آتا ہے اور عرف سے نص عام کو خاص کرنا جائز ہے مثلاً حدیث شریف ہے "ہر اس چیز کی خرید وفروخت ناجائز ہے جو بائع کے پاس موجود نہ ہو" لیکن لوگوں کے تعامل سے کاریگر مثلاً موچی سے جوتے کی بیع موجود ہونے سے پہلے جائز ہے کیونکہ

اس صورت میں حدیث کا ترک لازم نہیں آتا۔ بلکہ حدیث کی تخصیص لازم آتی ہے اور یہ جائز ہے۔ اس کی دوسری مثال قفیز الطحان ہے۔ یعنی آٹے پیسنے کی مزدوری میں آٹا دینا ناجائز ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی کو سوت کپڑے بننے کے لئے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ اپنے بنے ہوئے کپڑے سے مزدوری لے لیں تو یہ جائز ہے کیونکہ اس پر لوگوں کا تعامل ہے اور اس پر عمل کرنے سے نص کا ترک لازم نہیں آتا بلکہ تخصیص ہوتی ہے اور یہ جائز ہے۔ ہاں اگر کسی جگہ پر لوگوں کا تعامل آٹے پیسنے کی مزدوری آٹا لینے، پر ہو جائے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں عرف پر عمل کرنے سے نص کا ترک لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے۔

عُرف کی تیسری صورت یہ ہے کہ عرف قیاس کے مخالف ہو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر عرف عام ہو تو اس کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کیا جاتا ہے اور اگر عرف خاص ہو تو اس میں اختلاف ہے لیکن واضح قول یہ ہے کہ قیاس پر عرف خاص کو ترجیح دی جاتی ہے۔ نص کے مقابلہ میں عرف عام کو ترک کرنے کی مثلا ایک وہ حدیث ہے۔ جس میں...... حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گندم، جو اور نمک کو مکیلی قرار دیا اور سونا چاندی کو وزنی یعنی گندم اور جو کی خرید و فروخت کیل سے کرنی چاہئے اور سونا چاندی کی وزن سے، اب اگر کسی علاقہ میں لوگ سونا چاندی کو کیل کر کے فروخت کریں اور گندم اور نمک وزن سے تو ان کے عمل سے حدیث کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ حدیث قطعی ہے اور عرف ظنی۔ قطعی کے مقابلہ میں ظنی کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا۔ لیکن یہاں ایک قوی اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابو یوسفؒ کے نزدیک ان اشیاء میں عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے مثلاً ان کے نزدیک اگر کسی علاقہ میں لوگوں کا تعامل حدیث کے خلاف قائم ہو جائے تو حدیث کو ترک کر کے عرف پر عمل کیا جائے گا۔ لہٰذا ان کے نزدیک سونا چاندی کی خرید و فروخت کیل سے اور گندم کی وزن سے جائز ہو گی جیسا کہ ہمارے علاقہ میں گندم کی بیع وزن سے ہوتی ہے اور یہ عمل حدیث کے خلاف ہے لہٰذا آپ کا قاعدہ باقی نہ رہا کہ حدیث کے مقابلہ میں عرف عام کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے جو معترض نے ذکر کیا ہے بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ مبارک عرب قوم کے تعامل کے اعتبار سے تھا کیونکہ عرب میں گندم کی خرید و فروخت کیل سے کی جاتی ہے اور سونا چاندی کی وزن سے۔ اس لئے آپ نے ان کے تعامل کے پیش نظر فرمایا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث مذکور کی علت عوام کا تعامل

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

تھا۔ لہٰذا جس جگہ پر یہ تعامل تبدیل ہو جائے تو وہاں حدیث کے اعتبار سے مسئلہ بھی تبدیل ہو جائے گا کیونکہ اس حدیث سے مقصد عرف کو معتبر قرار دینا تھا۔ امام ابو یوسفؒ کے اس قاعدہ سے اکثر مسائل میں جو اشکال وارد ہوتا ہے اس سے نجات مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے۔

امام ابو یوسف اور ابو حنیفہ و محمد کا عرف میں اختلاف:

ائمہ احناف کے نزدیک عرف کے قبول کرنے اور نہ کرنے میں اختلاف ہے امام ابو یوسف کے نزدیک عرف اگرچہ نص قطعی کا مخالف بھی ہو تو اس کا اعتبار کیا جاتا ہے لیکن ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ لیکن یہ بات ناممکن ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک عرف کو مطلقاً نص پر ترجیح دی جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے جو اوپر گزر چکا ہے یعنی عرف کا اعتبار نص کے مقابلہ میں اسی وقت کیا جاتا ہے جب نص کی علت عرف اور تعامل ہو۔ اگر اس قاعدہ کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو پھر معترض کا یہ اعتراض بحال رہے گا کہ ابو یوسف کے نزدیک ربا، شراب بھی ان پر جائز ہونا چاہیئے جن کا تعامل ان کے استعمال کرنے کا ہے اور یہ بداہتہً باطل ہے۔ اس لئے لامحالہ ان کا وہی مطلب ہوگا جو ذکر کیا گیا ہے۔

عرف عام سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ عرف سے مراد وہ عمل ہے جس پر صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک ہر زمانہ کے علماء امت کی طرف سے اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کیا گیا ہو۔ لیکن یہ غلط ہے بلکہ عرف عام سے مراد ہر زمانہ کے لوگوں کا وہ تعامل ہے جس کے کرنے پر وہ مجبور ہوں اور اس پر علماء کی طرف سے نکیر نہ کی گئی ہو کیونکہ حدیث اور قیاس کے اعتبار سے ہر وہ بیع فاسد ہے جس میں ایسی شرط کی جائے جس کی بیع تقاضا نہ کرتی ہو اور اس میں بائع یا مشتری کا نفع ہو۔ لیکن اس حدیث کے خلاف عرف عام کے پیش نظر چند صورتیں بیع کی جائز ہیں مثلاً اگر کوئی کسی سے پرانا کپڑا یا جوتا خریدتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے اس کی مرمت کر دو تو عرف عام کے اعتبار سے جائز ہے اگرچہ حدیث اور قیاس کے خلاف ہے لیکن یہ عرف صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں موجود نہیں تھا۔ لہٰذا عرف عام میں یہ شرط لگانا کہ وہ صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر موجودہ وقت تک برابر چلتا رہے ناجائز ہے۔

فرض وہ امر ہے جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ کسی دلیل قطعی سے ثابت ہو (اصول فقہ)

باب دوئم :

اس باب میں یہ بات ذکر کرنا مقصود ہے کہ اگر عرف کا اختلاف ایسے مسئلہ میں واقع ہو جس کا ثبوت نص قطعی سے نہیں کیا گیا ہے بلکہ زمانہ کے علماء کی رائے اور اجتہاد سے کیا گیا ہے اس صورت میں عرف اور تعامل کے تبدل اور تغیر سے شرعی مسئلہ بھی تبدیل ہو جائے گا کیونکہ ہر زمانہ کے علماء عوام کے تعامل اور عرف کا اعتبار کر کے ایک مسئلہ ذکر کرتے ہیں لیکن دوسرے زمانہ میں عوام کا تعامل تبدیل ہو جانے سے ان کی رائے بھی تبدیل ہو جاتی ہے کیونکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر یہی عالم جس نے سابق زمانہ میں عوام کے عمل کے پیش نظر ایک رائے دی تھی اس زمانہ میں زندہ ہوتا اور اس کے سامنے عوام کا عمل تبدیل ہو جاتا تو لازماً اس کا خیال بھی تبدیل ہو جاتا لہٰذا اگر چہ وہ عالم زندہ نہیں رہا لیکن موجودہ وقت کے علماء کے لئے یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ وہ زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر اپنی رائے سلف صالحین کے خلاف دے کر شریعت کی وسعت کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ اس لئے ہر مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے تعامل سے پوری واقفیت رکھے۔ ورنہ قضاء کے منصب کو وہ صحیح طریقہ پر چلانے سے عاجز ہوگا۔ صاحبینؒ اور ابوحنیفہؒ کے اکثر اختلاف اسی قاعدہ کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں جس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں :

اوّل مثال :

امام صاحب کے نزدیک زمانہ کے اعتبار سے شاہد کی ظاہری عدالت شہادت کے لئے کافی سمجھی جاتی تھی کیونکہ وہ زمانہ خیر اور تقویٰ کا تھا لیکن صاحبین کے نزدیک یہ کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اور چیزیں ضروری ہیں کیونکہ زمانہ کے اعتبار سے ان قیود کا لگانا ضروری تھا۔

دوسری مثال :

امام صاحب کے نزدیک بادشاہ کے بغیر کسی دوسرے کا جبر اور اکراہ شرعاً معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کے زمانہ میں بادشاہ کے بغیر کوئی دوسرا جبر اور اکراہ پر قدرت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن صاحبینؒ کے زمانہ میں ظلم اور فساد کے عام ہونے کی وجہ سے بادشاہ کے بغیر بھی لوگ اس چیز پر قادر ہو گئے تھے اس لئے اپنے استاذ کی رائے سے اختلاف کیا۔

واجب وہ امر ہے جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ کسی دلیل ظنی سے ثابت ہو (اصول فقہ)

تیسری مثال:

متقدمین علماء کے نزدیک تعلیم اور تعلم پر اُجرت لینا حرام تھی کیونکہ ان کے زمانہ میں حکومت کی طرف سے ان امور کی ذمہ داری پوری کی جاتی تھی لیکن جب دینی تعلیم پر تنزل اور انحطاط وارد ہوا تو علماء نے اس کے باقی رکھنے کے لئے زمانہ کے حالات کے پیش نظر اس کو جائز قرار دیا تاکہ اسلامی شعائر اور تعلیمات باقی اور قائم رہیں۔

اس موضوع کی کئی مثالیں موجود ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں لیکن مسئلہ کے سمجھنے کے لئے مذکورہ مثالیں کافی ہیں اس لئے زیادہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

باب دوم میں عرف عام اور خاص کا کوئی فرق نہیں ہے بلکہ اس میں عرف عام سے حکم عام ثابت ہوتا ہے اور خاص سے حکم خاص ثابت ہوتا ہے۔

لیکن یہ بات ضروری ہے کہ عرف عام یا خاص سے کسی مسئلہ میں تبدیلی کرنا ہر ایک کا کام نہیں ہے بلکہ اس کے لئے پوری طرح اصول سے واقفیت رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح عوام کے حالات اور زندگی کے اُصول سے وہ شخص پوری مہارت رکھتا ہو۔ کسی ماہر فن سے اس نے علم کی تکمیل کی ہو۔ کیونکہ بسا اوقات ایک انسان اپنے مطالعہ سے جو تجربہ اور علم حاصل کرتا ہے۔ اس میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ وہ زمانہ کے تغیر سے شرعی مسئلہ میں کوئی صحیح طور پر تبدیلی کرنے پر قادر ہو۔ بلکہ بسا اوقات عدم تجربہ کی بناء پر اس سے ایسی فاش غلطی سرزد ہو جاتی ہے، جس سے بجائے فائدہ کے نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے علماء فن نے اس کے لئے چند قیود مقرر کئے ہیں تاکہ یہ دروازہ ہر خاص و عام کے لئے نہ کھل جائے بلکہ اس کے لئے انہی حضرات کے لئے اندر آنے کی اجازت ہو، جنہوں نے اس علم پر زندگی کا بہترین حصہ وقف کیا ہو۔ عقل بھی اسی چیز کی متقاضی ہے کیونکہ دوسرے فنون میں ماہر فن کے بغیر جب کسی کو کام کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تو پھر اس شرعی علم میں ہر ایک کو کیوں اجازت ملنی چاہئے؟

خلاصۂ بحث:

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر عرف عام نص قطعی ''قرآن و حدیث'' کے خلاف واقع ہو جائے تو عرف عام کے اغیار سے نص میں تغیر کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اگر قیاس کے خلاف عرف

یاد رہے کہ: کبھی واجب کے لفظ کا اطلاق فرض و واجب دونوں پر ہوتا ہے (اصول فقہ)

عام آ جائے تو اس صورت میں عرف عام کے لحاظ سے قیاس میں تبدیلی کرنی جائز ہے۔ لیکن عرف خاص سے قیاس میں تغیر و تبدل کرنے میں اختلاف ہے۔ واضح قول یہ ہے کہ تبدیلی جائز ہے۔ اگر عرف عام یا خاص علماء متقدمین کی رائے کے خلاف واقع ہو تو اس صورت میں عرف پر عمل کر کے ثابت شدہ مسئلہ میں تغیر کرنا جائز ہے جیسا کہ مندرجہ بالا مثالوں سے یہ واضح کیا گیا ہے۔

اس تفصیل کے بعد یہ امر واضح ہو گیا ہے کہ ہر زمانہ کے علماء کے لئے یہ چیز لازم ہے کہ وہ قرآن اور حدیث سے جو مسائل ثابت کئے گئے ہیں ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل عرف اور عوام کے تعامل سے نہ کریں بلکہ اس پر شدت کے ساتھ کاربند رہیں ورنہ شریعت کے اُصولوں پر کوئی اعتبار باقی نہ رہے گا۔ ہاں جو مسائل قیاس اور اجتہاد سے یا علماء متقدمین نے حالات کے پیش نظر مستنبط کئے تھے ان میں حالات کے بدلنے سے تبدیلی جائز ہے۔ اس طرح اس نص قطعی میں تبدیلی جائز ہے جس کی علت وقت اور زمانہ کے حالات اور عوام کا تعامل تھا جیسا کہ حدیث کیلی وزنی سے اس کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔

ان تمام حالات کو سمجھنے والا نہ تو اس بات کا قائل ہو سکتا ہے کہ اسلام میں کسی قسم کی تقیید نہیں ہے۔ ہر ایک شخص جس طرح چاہے اس میں تبدیلی کر سکتا ہے اور نہ اس کا قائل ہو سکتا ہے کہ اسلامی شریعت بالکل جامد ہے اس میں زمانہ کے حالات کے مطابق چلنے کی کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا اس کو دنیا کے معاملات کو چلانے کے لئے کوئی اہلیت نہیں ہے۔ اسلام یقیناً ایک مستقل نظامِ زندگی ہے جو تمام مشکلات پر غالب آنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

لوگ کیا کہیں گے؟

ایک معاشرتی رویہ کا پوسٹ مارٹم

تحریر

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

مقدماتِ فرض و واجب کا بھی وہی حکم ہے جو فرض اور واجب کا ہے (اصول فقہ)